

## عنوان

پوسٹ 5

عقلی دلائل:

احادیث کو مشق ستم بنانے کے ساتھ ساتھ اس میدان ابطال میں عقل کے گھوڑے بھی دوڑائے جاتے ہیں اور کچھ عقلی دلائل کے ذریعے بھی بات بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مزاعمہ "عقلی دلائل" کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

عقیدہ ایصال ثواب کو ثابت کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ:

"اسکی دلیل یہ ہے کہ آدمی جس طرح مزدوری کر کے مالک سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی اجرت میری بجائے فلاں شخص کو دے دی جائے، تو اس طرح وہ نیک عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتا ہے اس کا اجر میری طرف سے فلاں شخص کو عطا کر دیا جائے۔"

(تفہیم القرآن: جلد پنجم، صفحہ ۲۱۶)

دوسری کئی کتب میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے کہ "ایصال ثواب" فقط اس چیز کا نام ہے کہ آدمی ایک عمل کرے اور دوسرے کو بخش دے۔ اپنی اجرت دوسرے کو دے دینا یاد لوادینا دنیاوی معاملات میں تو ممکن ہے لیکن اپنے اعمال کا اجر کسی دوسرے کو منتقل کروادینا اللہ کے قانون میں ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكِفَّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا أُكْتَسَبَتْ ۖ (آل عمران: ۲۸۶)

"اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کامکلف نہیں ٹھہرا تا۔ جس نے جو کمائی کی ہے اس کا فائدہ اسی کو ملے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وباں اسی پر ہو گا۔"

ثُمَّ تُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ (آل عمران: ۲۸۱)

"پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔"

يَوْمَ تَحِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ حُكْمٌ أَوْ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ (آل عمران: ۳۰)

”اس دن ہر ایک اپنے کیے ہوئے اچھے اور بے اعمال اپنے سامنے پائے گا۔“

هَلْ تُجَزِّوْنَ لِلَاَمَّا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (یون: ۵۲)

”تم انہی اعمال کا بدل پاؤ گے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے۔“

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لَا نَفْسٍ كُمْ فَوَإِنْ أَسَأْتُمْ فَأَهَا ط (بن: اسرائیل ۷)

”اگر تم نے کوئی نیکی کی تو اپنے لیے، اور اگر برائی کی تو اپنے لیے۔“

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجَزِّوْنَ لِلَاَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یعنی: ۵۳)

”پس آج کسی جان پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور تمہیں کسی عمل کی جزا نہیں ملے گی سوائے اس کے جو تم نے کیے۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَنْفِسِهِ وَمَنْ أَسَأَءَ فَعَلَيْهِ ۖ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ

(حُمَّ السجدة: ۴۶)

”جونیک عمل کرے گا تو اپنے لئے کرے گا، اور جو برآ کرے گا تو اس کا وباں اسی پر ہو گا۔ اور تیرارب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

اللہ کا قانون واضح ہے کہ عمل کا بدلہ اس کے کرنے والے ہی کو ملے گا۔ برائی کا وباں بھی اس کے کرنے والے ہی کے اوپر ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظلم ہے کہ عمل کوئی کرے اور جزا کسی اور کو ملے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبِأَيِّ حِدِّيَّةٍ بَعْدَهَا يُؤْمِنُونَ (المرسلت: ۵۰)

”اب اس (اللہ تعالیٰ کی بات) کے بعد کس بات پر یہ ایمان لا سکیں گے؟“

کیا اللہ تعالیٰ کی اس بات کے بعد بھی کوئی یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے کہ ہمارا عمل کسی دوسرے کو بخشنما سکتا ہے۔ ہم اپنا عمل تو دوسروں کو بخشنے کے لئے بڑے بے چین ہیں لیکن ہمارے پاس اس بات کی کوئی تصدیق ہے کہ ہمارا عمل اللہ کے یہاں قبول بھی ہو گیا ہے؟ جیسا کہ اس حدیث سے پتا چلتا ہے: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت سے صائم ایسے ہیں کہ انہیں اپنے صوم سے سوائے پیاس کے کچھ نہیں ملتا، اور بہت سے راتوں کو قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں اپنے قیام سے سوائے جانگنے کے کچھ نہیں ملتا۔“

(رواہ الدارمی: مشکوہ۔ ابواب الصوم۔ باب تنزیہ الصوم)

وہ اپنی دانست میں سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ انہیں صوم اور جانگنے کا ثواب مل رہا ہے جبکہ حقیقت میں مختلف وجوہات کی بنا پر ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہی نہیں ہو رہا ہوتا۔ قرآن و حدیث پر سچا ایمان رکھنے والا مومن جو دنیا کو محض امتحان گاہ سمجھ کر آخرت کا پرچہ حل کر رہا ہو، وہ کیسے اپنے

نیک عمل کسی دوسرے کو بخش کر اپنے آپ کو اس ثواب سے محروم رکھے گا، جبکہ اس کا ایمان ہی یہ ہو کہ میرے یہ نیک عمل ہی میری آخرت کا سرمایہ ہیں۔ اگر کوئی پھر بھی اس طرح کے عمل کرتا ہے تو پھر اس کا عقیدہ آخرت شاید کچھ اور ہے۔

آج اس نامہ مسلم کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے دوری کی ایک وجہ شاید یہ خود ساختہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ بھی ہے۔ اپنے مرنے کے بعد اپنے عزیز واقارب کی طرف سے کئے جانے والے مکمل ایصالِ ثواب کے بل بوتے پر ہی عمل جاری ہے۔ یہ اپنی زبانِ حال سے گویا یہ کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤ گا اور فرشتے اس بات کا عذاب دینے آئیں گے کہ نہ میں قرآن پڑھتا تھا اور نہ اس کے مطابق عمل کرتا تھا تو میں ان کو یہ کہہ کر روک دوں گا کہ کس بات کا عذاب دینے آئے ہو ذرا صبر تو کرو تمہیں نہیں معلوم کہ میں دنیا میں سقدر کثیر المال، کتنی بڑی برادری و کنبے والا تھا۔ تم یقیناً اس بات کا عذاب دینے آئے ہو کہ میں قرآن نہیں پڑھتا تھا، اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تھا، صدقہ و خیرات نہیں کرتا تھا تو اے فرشتو!

جلدی نہ کرو، ابھی تو میری روح قبض ہوئی ہے، ابھی تو گھر والے روپیٹ رہے ہیں، برادری والے جمع ہو رہے ہیں، مولوی صاحب بہت سے بچے جمع کر کے لارہے ہیں میرے لئے ایک نہیں کئی قرآن ختم ہوں گے، میرے نام سے کھانے پکیں گے صدقہ و خیرات ہو گا، پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا، سوئم و دسوائی ہو گا، جمرا تین منائی جائیں گی، چالیسویں کا زبردست اہتمام ہو گا، میری طرف سے ہر وہ کام ہو گا جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا، مال و دولت کے باوجود کبھی میں نے حج کا سوچا بھی نہیں تھا ب اور پھر سال پورا ہونے پر بر سی ہو گی۔

الغرض جو تم آج مجھے عذاب دینے آئے ہو تو میری طرف تو اتنا ایصالِ ثواب کر دیا جائے گا کہ تم خود مجھے جنت میں داخل کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ آج میرا نام جہنمیوں کی فہرست میں ہے لیکن ایک دن آئے گا کہ میرے کھاتے میں اس قدر ثواب جمع ہو جائے گا کہ میرا نام جنت الفردوس کی لست میں ہو گا، کیونکہ پہلے تو عمل کرنے والا میں اکیلا تھا مگر آج تو میری طرف سے لاتعداد عمل کرنے والے ہیں، جہنم کے حقدار تو وہ ہیں جن کے پیچھے کوئی ایصالِ ثواب کرنے والا نہ تھا، نہ اتنی دولت چھوڑ کر مرے کہ انکی طرف سے قرآن ختم کرائے جاتے۔ انکا ثواب آج بھی وہیں اٹکا ہوا ہے مگر میرا اعمالِ النامہ دیکھو کیسا بھرا ہوئے؟ جہنمی مر اگر ایصالِ ثواب کی کرامت دیکھو کہ میں جنت الفردوس میں بیٹھا ہوا ہوں۔

لرز جانے کا مقام ہے کہ کس عیاری سے اللہ کے قانون کو رد کرنے کی کوشش کی گئی ہے! کس مکاری سے اللہ کے نظام کو اس طاغوتی عقیدے نے جھٹلا دیا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُو كُمْ أَيْكُمْ أَخْسَنُ عَمَلًا ۚ (الملک: ۲)

"اسی نے موت اور زندگی کو تخلیق کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔"

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِنُعْجِزَ كُلُّ نَفِيْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُنْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۲)

"اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے تاکہ ہر تنفس کو اسکی کمائی کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ہر گز ظلم نہ کیا جائے گا۔"

یعنی موت اور زندگی کی تخلیق، آسمانوں اور زمین کا بنایا جانا ایک منصوبے کے تحت ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، زندگی کا یہ دورانیہ مہلتِ عمل ہے جس میں دنیا کے بعد کی منزل کا امتحان دینا ہے۔ اسی امتحان کی کارکردگی، کامیابی و ناکامی پر ہی اگلے جہاں کی سزا و جزا کا انحصار ہے۔ انسان جو کچھ کمائے گا اسی کا حقدار ٹھہرے گا، مگر اس عقیدہ ایصالِ ثواب نے اللہ کے اس نظام کو تلپٹ کر دیا! ایک اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں مقام حاصل کرے گا اور دوسرا ہمارے کئے ہوئے عمل سے؟ ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی وجہ سے جو خشیتِ مومنوں پر طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تجدُّد گزار بن جاتے ہیں، ان کے رات اور دن پھر اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق بسر ہوتے اور وہ متqiٰ بن جاتے۔ یہ سارا تقویٰ، یہ سیرت میں نکھار کیسے بخشا جائے گا؟ پہلے مودودی صاحب نے لکھا تھا کہ ایک اپنا اجر دوسرے کو بخش سکتا ہے لیکن اپنے ہی لکھے کے خلاف اب لکھتے ہیں:

"جزا اسی کو ملے گی جو عمل کرے گا اور اسکی جزا کسی اور کو نہیں دی جاسکتی مگر اس کا انعام کسی اور کو دیا جاسکتا ہے۔"

نہ جانے کیسی تضاد بیانی ہے پہلے ایک عقیدہ دیتے ہیں پھر دوسرا عقیدہ دیتے ہیں، بحر حال اسکی مثال انہوں نے اس طرح بیان کی کہ:

"جیسے ایک شخص ورزش کر کے کشتی کے فن میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس سے جو طاقت و مہارت پیدا ہوتی ہے وہ بحر حال اسکی ذات کے لئے مخصوص ہے، دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر وہ کسی دربار کا ملازم ہے اور پہلوان کی حیثیت سے اس کے لیے ایک تنخواہ مقرر ہے تو وہ بھی اس کو ملے گی، کسی اور کونہ دی جائے گی۔ البتہ جو انعامات اس کی کارکردگی پر خوش ہو کر اس کا سرپرست اسے دے اس کے حق میں درخواست کر سکتا ہے کہ وہ اس کے استاد، اس کے ماں باپ یا دوسرے محسنوں کو اس کی طرف سے دے دے جائیں۔"

(تفہیم القرآن، جلد ۵، صفحہ ۲۱)

کچھ مسالک میں تو ایصالِ ثواب کی بابت وہی عقیدہ ہے جس پر صاحب تفہیم القرآن اس سے پہلے زور دے رہے تھے کہ مر نے والے کے لئے ہر قسم کا عمل کر کے بخشا جاسکتا ہے، لیکن کچھ مسلک پرست یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرض عبادات تو صرف انسان کے اپنے لئے ہیں اور ان کا ثواب کسی کو منتقل نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسرے نیک عمل کر کے بخشنے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے مندرجہ بالا عقلی دلیل بھی پیش کی جاتی ہے۔ پہلے "جزا" اور "انعام" کے معنی سمجھ لینے چاہئے ہیں۔ "جزا" ایک اچھے عمل کے بد لے کو کہتے ہیں اور "انعام" اس عمل کو بہتر سے بہتر انداز میں کرنے پر خوشی سے مزید نوازے جانے کو۔ اس بارے میں قرآن و حدیث کا فیصلہ یہ ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ أَمْنَوْا وَعَمِلُوا الصِّلَاةَ فَيُؤْثِرُونَهُمْ أُجُوزَهُمْ وَيَرْبُدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ (النساء: ۲۰-۲۱)..... جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَظَاءً حِسَابًا (النَّبَا: ۳۶-۳۷)

"پس وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک عمل کئے ہوئے گے، وہ اپنے اجر پورے پورے پائیں گے، اور اللہ اپنے فضل سے انکو مزید بھی عطا فرمائے گا۔"

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (٣١) ..... جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَظَاءً حِسَابًا (٣٦) (النَّبَا: ٣٦/٣١)

بے شک متقيوں کے لیے کامیابی ہے۔۔۔۔۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے جزا ہے اور بہت انعام۔"

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَخُطَّبَتْ عَنْهُ عَشْرُ حَطَّيَّاتٍ لَهُ عَشْرٌ درجاتٍ۔

(سنن نسائی۔ کتاب الافتتاح۔ الفضل فی الصلة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی میرے اوپر ایک مرتبہ رحمت کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا، اس کے دس گناہ معاف ہونگے اور دس درجے اس کے بلند ہوں گے۔"

ان آیات نے وضاحت کر دی کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر نیک عمل کئے ہوں گے، تو انکے نیک اعمال کا انکو بھر پور بدلہ ملے گا لیکن ساتھ ہی ان اعمال صالحہ میں خلوص و شوق وغیرہ کی وجہ سے جو انعام ملے گا (یعنی مزید عطا) تو وہ بھی اسی شخص کے لئے ہو گا کسی اور کے لئے نہیں۔ مذکورہ حدیث میں بھی اس کی مکمل وضاحت ملتی ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمت کی دعا کی (یعنی عمل کرنے والہ) تو اس کا اجر (یعنی دس نیکیاں) اسی کو ملیں گی اور ساتھ ہی انعام (یعنی دس گناہوں کی معافی اور دس درجات کی بلندی) بھی اسی کو ملے گا۔ تو معلوم ہوا کہ "جزا" ہو یا "انعام" دونوں کے عطا کئے جانے کا سبب عمل کرنے والے کا اپنا عمل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب کے جواز میں پیش کئے جانے والے "جز او انعام" کے فلسفہ کی حیثیت محسن باطل ہے۔ کیا ایک یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا اپنے ایک ایک عمل کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف سے زیادہ انعامات کا طلبگار رہے گا یا ناقدری و ناشکری کی روشن اختیار کرتے ہوئے شانِ بے نیازی سے ان انعامات کو دوسرا کو منتقل کرنے کی درخواست داغ دے گا؟ ایک عقیدہ جب قرآن کے خلاف ہے تو اپنی غلطی تسلیم کر لی جائے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے اپنی اصلاح جری گائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنے اس غلط عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی منطقیں گھڑی جاتی ہیں اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ کسی بھی طور اس کو ثابت کر دیا جائے۔

قرآن و حدیث کے حوالوں سے اب یہ بات مکمل طور پر واضح ہو گئی ہے کہ اس من گھرست عقیدے کے حق میں دیئے جانے والے "عقلی دلائل" حقیقت میں "عقلی فتور" اور "عقلی فقدان" کا شاہکار ہیں۔ اس سلسلے میں دوسرے دلائل جن میں من آرڈر کی مثال کے ذریعے ایصالِ ثواب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کی حیثیت محسن فریب کارانہ جسارت ہے جن پر بحث کرنا وقت کا ضایع ہے۔

### قرآن خوانی:

رانجِ الوقت ایصالِ ثواب کے لئے اختیار کئے جانے والے طریقوں میں "قرآن خوانی" کی رسم کو سب سے زیادہ لازمی سمجھا جاتا ہے۔ جہاں کوئی میت ہوئی فوراً اس کا اہتمام شروع ہو جاتا ہے۔ اس رسم کو اسقدر روح صحیح دے دیا گیا ہے کہ گویا یہ دین کا ایک حصہ معلوم ہونے لگی ہے۔ اس کو غلط سمجھنے کا توکسی کے ذہن میں کوئی تصور ہی نہیں، بلکہ سب اس کی فضیلت کے قائل ہیں جس کا اندازہ اس عمل پر تسلسل اور تکرار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ پارٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کا کام ہی قرآن خوانی کرنا ہے اور اس کی وہ باقاعدہ اجرت بھی لیتے ہیں۔ بعض جگہ مولوی

صاحبان نے اس کو باقاعدہ کاروبار کی شکل دے رکھی ہے۔ ان کو آرڈر دے دیا جاتا ہے اور وہ گاڑی بھر کر مدرسے کے طلبہ کو لے کر جائے مطلوبہ پر حاضر ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے مطلوبہ تعداد میں قرآن ختم کر دیتے ہیں اور کھاپی کر اپنی فیس و صول کر کے اگلی بکنگ کی جگہ پر چلے جاتے ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی لیئے نازل فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اس کی تعلیم دی، انہیں اسکے پڑھنے کا طریقہ بتایا، اسکی مختلف سورتوں اور آیتوں کے فضائل بتائے۔ یہ ساری باتیں کتب احادیث میں موجود ہیں جو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی جا رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان سب پر عمل کرنے والے تھے، وہ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی صلوٰۃ میں اور اس کے علاوہ بھی نہایت خشوع و خضوع سے اس کی تلاوت کیا کرتے تھے، لیکن ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی اس انداز کی قرآن خوانی کی ہو، لہذا اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جب ان علم کے پھاڑوں کو اس بدعت کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو بجائے اس کے یہ بدعت سے ڈرتے ہوئے اس بدعت سے رجوع کریں اماں کا دفاع کرنے لگتے ہیں۔ اپنے فعل پر نادم ہونے کی بجائے اس کے درست ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ بڑے سفیہانہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ "اسوقت تک قرآن جمع نہیں ہوا تھا"۔ افسوس کہ یہ لوگ اس بدعت کی دلدل میں استدر دھنے ہوئے ہیں کہ ان کو اتنی سی بات بھی بھائی نہیں دیتی کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہی تو نازل ہوا تھا، نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد حافظ قرآن تھی۔ کیا قرآن خوانی کے لیے ضروری تھا کہ کاغذ کے پاروں کو دیکھ کر ہی پڑھا جائے؟ لہذا کیا وہ لوگ قرآن خوانی نہیں کر سکتے تھے؟ اگر انکی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس رسم کو اسوقت تورانج ہو جانا چاہئے تھا جب ابو بکر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں دلوں میں محفوظ اور مختلف جگہوں پر مکتبہ قرآن کیجا کر کے کاغذی شکل میں جمع کر لیا گیا تھا۔ اس دور میں ہی نہیں بلکہ بعد کے دور میں بھی اس رسم قرآن خوانی کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ یہ لوگ زبانِ حال سے گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس چیز کی فضیلت کو نہ سمجھ سکے جس کو ہم سمجھے ہیں گویا ان کا علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علم سے زیادہ ہے! انہیں پتا ہے کہ قرآن کس طرح پڑھنا چاہیے۔ انہیں زیادہ معلوم ہے کہ قرآن خوانی کی کیا فضیلت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو اس فضیلت سے محروم رہ گئے! معاذ اللہ!

یاد رکھیں کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو، لکتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ لگے لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قول و فعل کے مطابق نہیں تو اللہ کے عذاب کا راستہ ہے۔ جب ان مولویوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا تو کہنے لگتے ہیں "یہ لوگ قرآن پڑھنے کو بدعت کہہ رہے ہیں۔" قرآن پڑھنا تو یقیناً بہت زیادہ باعثِ ثواب ہے لیکن قرآن بھی اسی طرح پڑھنا ہے کہ جیسے ہم کو تعلیم دی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انسان سجدہ میں اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے۔" دیکھی آپ نے سجدے کی فضیلت! اب بتائیے اگر ایک رکعت میں کوئی اس فضیلت والے سجدے کو تین یا چار مرتبہ کرنا شروع کر دے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ کیا اس شخص کی صلوٰۃ قبول ہو سکتی ہے؟ یہی فضیلت والا سجدہ اگر سورج نکلتے وقت، زوال کے وقت اور غروب کے وقت کیا جائے تو حرام کیوں ہو جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ

ایک نیک کام کی قبولیت بھی اسی کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنے سے مشروط ہے ورنہ یہی نیک کام اللہ کے غصب کا حقدار بنادیتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جس مسلک سے وابستہ ہے اسی کے حساب سے عقیدہ اور عمل اختیار کرے دوسروں پر اپنا عقیدہ زبردستی نہ ٹھونسے۔ فرقہ بندی کو تو قرآن نے کفر اور شرک قرار دیا ہے ایک مومن و مسلم تو کسی طور بھی کسی فرقے سے وابستہ ہو ہی نہیں سکتا، یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ پھر یہ کہ عقیدہ ایصالِ ثواب پر ہم نے کسی مسلک کتابوں سے بحث نہیں کی بلکہ صرف قرآن و حدیث جو شرع کی بنیاد ہیں (جس پر یہ سارے فرقے ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں) اسی سے سارے حوالے دیئے ہیں، اب جو بھی کتاب اللہ کا ماننے والا ہو گا وہ تو اسی پر ایمان لائے گا اور جو اکابرین مسلک کا مطیع ہو گا وہ اپنے مسلک کے مفتیوں کے فتوؤں سے ہی چھمار ہے گا۔ قیامت کے دن اس ساری امت کا حساب قرآن و حدیث سے ہی ہو گا۔ سنی، شیعہ، اہل حدیث، دیوبندی و بریلوی کا حساب علیحدہ ان کے مسلک کی کتابوں کے مطابق نہیں ہو گا، اس لئے لوگ آج ان کتابوں سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے اپنے انجام سے باخبر ہو جائیں اور صرف قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں، اسی کو سمجھیں، اس کے مطابق عقیدہ بنائیں اور اسی کے مطابق عمل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو انسانوں کے لئے ہدایت نامہ بیان فرمایا ہے۔

امت میں پھیلائے گئے اس عقیدہ ایصالِ ثواب کے بارے میں اس بیان کا مقصد کسی کی ہتک و تحریر یا کسی کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ آج کا یہ نام نہاد مسلم کس قدر اپنے رب کے احکام سے دور ہو چکا ہے۔ آج اس نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب پر ہدایت کو جزدان میں لپیٹ کر گھر میں سب سے اوپر جگہ پر رکھ دیا ہے اور گویا یہ دباؤں کی طرح کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی لئے یہ آج دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کا غلام بن گیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس عقیدے کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہ ہو لیکن ان پر ایمان رکھنے والا اس پر اصرار کرے۔ جن نئی باتوں کو آج اسلام کا اہم طریقہ سمجھ کر اپنایا گیا ہے، ان پر مُصر لوگ کس دین کے پیروکار ہیں؟ جب احادیث سے یہ چیز ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی وفات کے موقع پر قرآن خوانی کرنے، اگر تباہ جلانے، کھجور کی گھلیوں وغیرہ پر مختلف قسم کے کلمات کا اور دکرنے، جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنے، اور ان سب اعمال کو مردے کو بخش دینے، دفنانے کے بعد وہاں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے، فاتحہ پڑھنے، قبرستان سے واپس آ کر شرکاء جنازہ کے لئے کھانے کا انتظام کرنے، "قل شریف" سو مم و دسوال، چالیسوال و بر سی کی محفل منعقد کرنے، جمعرتوں کو رشتہ داروں، دوستوں اور عزیزوں کو جمع کر کے مردے کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے مختلف وظائف پڑھنے وغیرہ کا کوئی حکم دیا ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کبھی ایسا کیا، تو پھر یہ امت ان کاموں کو اختیار کرنے میں آخر کس کی پیروی کر رہی ہے؟ اللہ کے واسطے ذرا سوچئے کہ قرآن و حدیث سے انحراف کا انجام کیا ہے؟ کیا یہی وہ انجام ہے جس کی ہم تمnar کھتے ہیں؟

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جو اصل دین ہے اسی پر قائم رکھے۔ مالک ہم تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ذات اور اسوہ دونوں سے محبت کرتے ہیں، صرف انہی کا اسوہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ مالک ہمیں انہی کی راہ پر چلا، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمایا اور پھر ہمیں انہی کے ساتھ ملا دے۔

